Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Introduction to Sufism: A Research Review in The Light of the Views of Muslim Thinkers

تصوف کا تعارف واہمیت: مسلم مفکرین کی آراء کی روشنی میں تحقیقی جائزہ

Mr.Muhammad Yaseen
Ph.D Scholar Department of Islamic Studies, Imperial College of Business Studies, Lahore.
drmuhammadyaseenarfi@gmail.com
Dr. Muhammad Imran Anwar
Assistant Professor, Imperial College of Business Studies, Lahore.

Abstract

This study explores the curriculum of Sufism in Pakistan's religious seminaries (madaris), focusing on its challenges, impacts, and potential measures for improvement. Sufism, a mystical dimension of Islam, emphasizes inner purification and spiritual connection with the Divine. Despite its deep roots in Islamic tradition, Sufism's incorporation into the formal curricula of Pakistani madaris has faced several challenges.The research investigates these challenges, which include doctrinal disagreements, administrative hurdles, and societal perceptions. One significant challenge is the doctrinal tension between Sufi practices and more orthodox Islamic interpretations, often leading to a polarized environment within the educational institutions. Administratively, madaris often lack standardized curricula and trained faculty, which hampers the effective teaching of Sufi subjects. Additionally, the broader societal view, influenced by political and sectarian dynamics, affects the acceptance and implementation of Sufism in the educational framework.The study also examines the impacts of incorporating Sufism into the madrasa curriculum. Positively, it can promote values of tolerance, peace, and spiritual enrichment among students. Sufi teachings often emphasize compassion, humility, and love for all humanity, which can counteract radical tendencies and foster a more harmonious society. However, the improper integration of Sufi subjects, without a balanced and contextual approach, might lead to misinterpretations and misuse of Sufi practices.To address these issues, the study suggests several measures. First, there is a need for a well-defined and standardized Sufi curriculum that

aligns with both traditional Islamic teachings and contemporary educational standards. Training programs for teachers specializing in Sufism are essential to ensure accurate and effective transmission of knowledge. Furthermore, fostering an environment of inter-sectarian dialogue within madaris can help mitigate doctrinal tensions and promote mutual respect and understanding In conclusion, the integration of Sufism into the curriculum of Pakistan's religious seminaries holds significant potential for spiritual and societal benefits. However, addressing the doctrinal, administrative, and societal challenges is crucial for its successful implementation. This study provides a comprehensive overview of these aspects and proposes actionable steps to enhance the teaching and understanding of Sufism in Pakistani madaris. The research contributes to the broader discourse on religious education reform and the role of Sufism in contemporary Islamic scholarship.

***Keyword**: Sufism, Introduction, Concept, Aspects, Different Opinions, Necessity of Sufism, Importance of Sufism.*

تصوف کا تعارف

تصوف کی اصل احسان ہے جو اس حدیث پاک پر مبنی ہے۔ جس کو عرف عام میں حدیث جبریل کہا جاتا ہے۔ جب صحابہ کبار کی تعلیم وتربیت کے لیے حضرت جبریل انسان کی شکل وصورت اختیار کرکے سرکار دوعالم ﷺ کے پاس آئے اور اسلام، ایمان اور احسان کے معانی ومطالب دریافت کئے۔ بخاری شریف میں ہے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سیدنا جبریل انسانی روپ میں آئے اور ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوال کیا انہوں ے پوچھا:

قال: ماالایمان؟ قال: الا ایمان ان تؤمن باللہ وملائکته ورسله وتومن بالبعث قال: ما الاسلام ان تعبداللہ و لا تشرک به وتقیم الصلاة وتودی الزکوة المفروضة وتصوم الرمضان قال ما الاحسان؟ قال الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک[1]

”جبریل علیہ السلام نے عرض کی ایمان کیا ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لاؤ۔ جبریل نے عرض کی اسلام کیا ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز قائم رکھو۔ فرض کی ہوئی زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان،، دارالقلم، بیروت،، (1981ء)، رقم حدیث:508 ص:341

یہاں احسان تصوف ہے جیسا کہ مطیع الرحمن رضوی حدیث جبریل کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حدیث پاک میں پہلے نمبر پر ایمان (اعتقادات) دوسرے نمبر پر اسلام (ظاہری اعمال) تیسرے نمبر پر احسان (دل کا خلوص اور حسن نیت) کے ذکر سے اس حقیقت کی نقاب کشائی ہو جاتی ہے کہ جس طرح دو کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ایک کا وجود نہ ہو جائے اور تین کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دو کا وجود نہ ہو جائے۔ اسی طرح جب تک ایمان نہ ہو شرعاً اعمال کا وجود ممکن نہیں اور جب تک اعمال نہ ہوں احسان کا وجود بھی ممکن نہیں پھر جس طرح تین سے دو کی قدر کم ہوتی ہے اور دو سے ایک کی قدر کم اسی طرح عمل کے بغیر ایمان کمزور ہے اور احسان کے بغیر اعمال ناقص ہیں۔''[2]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لفظ احسان کی تشریح کرتے ہوئے اسے فقہ باطن بھی قرار دیتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کو اس کی سب سے عمدہ مثال بیان کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔ جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال و احوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک کا تعلق افعال و حرکات اور امور محسوسہ سے تھا۔ مثلاً قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح، اذکار و ادعیہ، احکام و مناسک، فن حدیث نے اس کی روایت اور تدوین کی خدمات انجام دی۔ علم فقہ نے اس سے مسائل و جزئیات استخراج کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

محدثین اور فقہائے امت نے دین کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ امت کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا۔ دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے جو ان افعال و حرکات کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قیام و قعود، رکوع و سجود، ذکر و دعا، وعظ و نصیحت، گھر کے ماحول، میدان جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص و احتساب، صبر و توکل زہد و استغناء، ایثار و سخاوت، ادب و جہاد، خشوع و خضوع، انابت و تضرع، دعا کے وقت دل پر رقت کا پیدا ہونا، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی، دیدار کا شوق اور اس طرح کی دوسری باطنی کیفیات اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں۔[3]

جن کی حیثیت جسم انسانی میں روح اور ظاہر میں باطن کی ہے پھر ان عنوانات کے تحت اور بہت سی جزئیات اور آداب و احکام ہیں۔ جنہوں نے اس کو ایک مستقل علم اور علیحدہ فقہ کا درجہ دے دیا ہے۔ چنانچہ اگر اس علم کو جو اول الذکر

---

[2] رضوی، مطیع الرحمن تصوف کی بنیاد حدیث جبریل کا لفظ احسان ہے،، شاہ صفی اکیڈمی، حیدرآباد، (2014ء)، ، ص:۱۲۳

[3] سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، مکتبہ امدادیہ، ملتان (2001ء)، ج:1، ص:561

کی شرح وبسط تفسیر سے متعلق ہے ان کو فقہ ظاہر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو وہ علم جو ان کیفیات کی تشریح کرتا اور ان کے حصول کے لیے رہنمائی کرتا ہے فقہ باطن قرار دیا جا سکتا ہے۔[4]

تصوف اور صوفی کی اصطلاحات کو جیسا کہ قبل ازیں اشارہ ذکر کیا جا چکا ہے حضور نبی اکرم یہ کے وصال کے کم و بیش سو سال بعد دوسری صدی ہجری میں رواج پذیر ہوئیں تاہم اس کی شروحات حدیث تفسیر اور فقہ کی اصطلاحات کے با قاعدہ رواج سے بہت پہلے ہو چکی تھیں۔ جبکہ ابھی تابعین اور تبع تابعین کا مبارک دور تھا۔ جے حضور آ ﷺ نے خیر الناس قرني ثم الذين يلونهم ([5]) سے تعبیر فرمایا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں

اللہ سبحانہ نے قرآن حکیم میں بھلائی اوراصلاح والے گروہوں کا تذکرہ کیا کسی کو ابرار کہا کسی کو مقربین کہا اور کسی کو صادقین کیا اور کسی کو ذاکرین کہا اور کسی کو محبین کے اسم سے نوازا ان تمام گروہوں پر منطبق ہوتا ہے جو اس کے تحت مذکور ہیں۔اور یہ اسم دور نبوی میں موجود نہ تھا تاہم یہ کہا جاتاہے کہ یہ اسم دور تابعین میں موجود تھا۔حضرت حسن بصری (تابعی) سے منقول ہے کہ میں نے ایک (صوفی) کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور اسے کوئی چیز دی لیکن اس نے نہ لی۔اور کہا. میرے پاس چار دوانیق ہیں۔اور یہ قول تائید کرتا ہے کہ اس بات کی جو سفیان ثوری سے روایت کی گئی ہے کہ اگر شیخ ابو ھاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاء کی باریکیوں کو نہ جان پاتا یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دور قدیم میں اسم (صوفی) معروف تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسم ہجرت نبوی کے بعد دو سو سال تک معروف نہ تھا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے صحابہ اس آدمی کو صحابي کا نام دیتے جو آپ کی صحبت سے مشرف ہوتا کیونکہ اس میں صحبت رسول م کی طرف اشارہ تھا جو ہر اشارے سے بہتر تھا اور عہد رسالت مآب میں یہ کے بعد جس نے صحابہ سے علم حاصل کیا اسے تابعی کا نام دیا گیا پھر جب عہد رسالت اور آسمانی وحی کے منقطع ہونے کو عرصہ گزر گیا اور نور مصطفوی پوشیدہ ہو گیا اور لوگوں کی آراء مختلف ہو گئیں اور ہر صاحب رائے اپنی رائے میں منفرد ہو گیا اور علمی فضا کو نفسانی خواہشات نے مکدر کر دیا۔ متقین کی بنیادیں ہل گئیں اور زاہدوں کے عزائم متزلزل ہو گئے، جہالتوں کا غلبہ ہونے لگا اور اس کے پردے دلوں پر گہرے ہو گئے۔ عادات بگڑ گئیں اور ارباب دنیا خرافات دنیا میں گھر گئے اور خطا کاریوں میں مبتلا ہو گئے تو ایک گروہ نیک اعمال اور روشن احوال اور عزیمت میں صدق اور دین میں قوت کے ساتھ الگ ہو گیا انہوں نے دنیا اور اس کی محبت سے کنارہ کشی اختیار کی اور عزلت و تنہائی کو غنیمت جانا اور انہوں نے اپنے لئے الگ کوٹے بنا

---

[4]ندوی، سید ابوالحسن علی، تزکیہ واحسان یا تصوف و سلوک، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنو، (1979ء)، ص:15، 16

[5]بخاری، امام محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الادب، مکتبہ سلفیہ، مدینہ (2011)، جلد6، حدیث 6114: ص:۳۶۲

لئے جہاں وہ کبھی جمع ہوتے اور پھر الگ ہو جاتے ان میں اصحاب صفہ کا نمونہ موجود تھا انہوں نے اسباب کو ترک کر دیا اور ہمہ تن اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو گئے تو ان کے نیک اعمال ان کے لئے روشن و منور احوال کا پھل لائے اور علوم الہیہ کے قبول کرنے کے لئے فہم کی صفائی مہیا کی اس طرح ان کو ظاہری زبان کے ساتھ ساتھ باطنی زبان اور عرفان حاصلہ کے بعد ایک اور عرفان اور ایمان ظاہری کے ساتھ ایمان باطنی سے بھی بہرہ ور ہو گئے جس طرح کہ حضرت حارثہ نے فرمایا کہ جب مجھے ایمان کے غیر معمولی مرتبہ کشف ہوا جو عام لوگوں میں نہیں پایا جاتا تو میں حقیقی اور صحیح معنوں میں مومن بن گیا بس جب ان علوم نے ان گوشہ نشینوں کو نئے علوم سے واقف کرایا تو انہوں نے ان علوم جدیدہ کے لئے اصطلاحات وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے وجدان و باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں پھر اخلاف نے اپنے اسلاف سے اس کی تعلیمات حاصل کرنا شروع کیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہو گیا یہاں تک کہ زمانہ مابعد میں اس نے ایک باقاعدہ علم اور مستقل رسم کی صورت اختیار کر لی تو یہ ام (صوفی) ان میں رائج ہو گیا اور یہ لوگ خود بھی اسی نام سے موسوم ہو گئے بس اس وقت سے یہ اسم ان کی نشانی ہے اور علم الہی ان کی صفت ہے عبادت انہی ان کا زیور ہے اور تقوی ان کا شعار اور حقیقت الہیہ کے حقائق ان کے اسرار ہیں یہ حضرات قبیلوں کو چھوڑ کر غیرت کے قبوں میں رہتے ہیں اور حیرت کی دنیا میں آباد ہو گئے ہیں اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے لحظہ بہ لحظہ ترقی کی طرف رواں ہیں اور محبت الہی کی آگ ان کے دل میں شعلہ زن ہے اور وہ پھر بھی تشنگی کے عالم میں ھل من مزید کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔اے اللہ ہمارا حشر اسی گروہ کے ساتھ کرنا اور ان کے باطنی حالات کو نصیب فرما۔ آمین۔([6])

یہ طویل اقتباس اصطلاح تصوف و (صوفی) کے آغاز و رواج کی بطریق احسن وضاحت کرتا ہے اور اصحاب صوفیاء کے ہوس، نفس پرستی قلبی و ذہنی آلودگیوں استخوان گیری و مغز ا نانی کے دور میں عشق الہی اور خالص دین کی شمعیں جانے کی دلیل ناطق ہے اور مان اصطلاحات کے مدلولات کا بے مثال بیان ہے اس اقتباس پر جس قدر غور و فکر کیا جائے اہل تصوف بطور فلسفہ روحانیت عبادات و ریاضات کا مقصد مدعا ٹھرتا ہے۔

تصوف مجموعہ دین

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ جب جبریل امین سوالات کے بعد اس مجلس سے باہر چلے گئے تو حضور نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا یہ جبریل امین تھے۔

[6]: سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، مکتبہ امدادیہ، ملتان (2001ء)، ص:۲۰۴-۲۰۵

اتاکم یعلمکم دینکم(7)

"تمہارے پاس آئے تھے تا کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔"

حضور ﷺ نے اسلام، ایمان اور احسان تینوں کے لیے لفظ دین استعمال فرمایا۔لہٰذا جس طرح ایمان سے جنم لینے والا نظام زہد اور نظام طریقت و تصوف بھی دین کا حصہ رہا۔ تصوف کو خود حضور ﷺ نے دین قرار دیا۔

یہی وجہ تھی کہ تابعین اتباع تابعین اور ائمہ اربعہ جیسے جلیل القدر ائمہ سے صوفیاء کی صحبت و مجالس میں بیٹھنا اور ان کے حق میں تعریف کے کلمات بھی ثابت ہیں۔ انہی ائمہ کرام سے صوفیاء کی مجلسوں میں جاکر ان سے سوال کرنا، استفسار کرنا اور رہنمائی طلب کرنا بھی ثابت ہے۔احسان کا مطلب آپ ﷺ نے یوں فرمایا:

ان تعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھتا ہے اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو تحقیق وہ تجھے دیکھتا ہے۔

لا یسعی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدالمومن (8)

بندہ مومن کے دل کی یہ وسعت صرف اہل تصوف ہی جانتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ علمائے ظاہر کے نزدیک اس کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔

دل کو ماسوائے اللہ سے پاک رکھنا اور محبوب حقیقی کے سوا کسی کا اپنے دل میں گذر نہ ہونے دینا سرمایہ احسان ہے جس کو تصوف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نہ اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں لیکن اپنے بندہ مومن کے قلب میں سما سکتا ہوں۔

تصوف کی تاریخ

اس لفظ کے استعمال کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

1۔ ابو نصر سراج طوسی کی رائے میں یہ لفظ قبل از اسلام بھی مستعمل تھا۔(9)

2۔ ملا کاتب چلپی کی رائے میں ابو ہاشم (150ھ) کو سب سے پہلے صوفی کا لقب دیا گیا۔

اول من سمی بالصوفی ابو ہاشم الصوفی المتوفی(10)

3۔ ابن خلدون کی رائے میں لفظ صوفی دوسری صدی ہجری میں رواج پا چکا تھا۔ (11)

4۔ مشہور مستشرق لوئیس کے خیال میں صوفی کا لفظ تیسری صدی ہجری میں عبدک صوفی (210ھ) کے لیے

---

(7) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان،، دار القلم، بیروت،، (1981ء)، رقم حدیث:508ص:341

(8) ملا علی قاری، علی بن سلطان مرقاۃ المفاتیح،، مکتبہ امدادیہ، ملتان، (۲۰۰۱)، ج:۱، ص:۱۲۰

(9) طوسی، ابو نصر سراج، اللمع فی التصوف دار الکتب العلمیۃ، بیروت (1998)، ص:25

(10) حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبد اللہ، کشف الظنون، دار الکتب العلمیہ، بیروت،، (1413)، ص:۶۷۸

(11) ابن خلدون، عبد الرحمن، مقدمۃ ابن خلدون، دار القلم، لبنان، (1984ء)، ج:۱، ص:۲۴۲

استعمال ہوا جو کوفی شیعہ تھا۔ ابن تیمیہ کی رائے میں یہ لفظ پہلی تین صدیوں تک غیر معروف تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

لفظ الصوفية لم يكن مشهوراً في القرون الثلاثة[12]

"لفظ صوفی پہلی تین صدیوں میں مشہور و معروف نہیں تھا۔"

5۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ صوفی کا لقب تاریخ میں پہلی مرتبہ آٹھویں صدی کے نصف آخر میں کوفہ کے ایک شیعہ کیمیا گر جابر بن حیان کے نام کے ساتھ تھا۔ ان روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شروع شروع میں اس لفظ صوفی کا استعمال کوفے تک ہی محدود تھا۔

1. تصوف کی مختلف تعریفات سے صوفیاء کے نزدیک تصوف کا مفہوم یہ اخذ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کا نام تصوف ہے۔
2. حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طالبِ حق اخلاق حسنہ اختیار کرے اور اخلاق رزیلہ سے اپنے آپ کو بچائے۔
3. صوفیاء متقدمین کے نزدیک نفس کے رذائل سے آگاہی حاصل کر کے اسے خوش خصال بنانا اور پھر خالق کے قرب اور رضا کے حصول کے لیے دین کی حقیقی روح پر عمل کرنا تصوف ہے۔
4. جو لوگ تواضع و انکساری کے اظہار کے ساتھ دنیاوی مفادات اور نقصان سے بالاتر ہو کر اللہ کریم کی رضاء کے لیے آخرت سنوارنے کی فکر کرے وہ حقیقی صوفی ہے۔

لفظ صوفی کی اصطلاح کے استعمال کے بارے میں مختلف آراء سامنے آئی ہیں۔

- بعض نے کہا ہے اس اصطلاح کا استعمال قبل از اسلام بھی استعمال ہوتا تھا۔
- بعض نے کہا ہے کہ اس اصطلاح کا استعمال دوسری صدی کے آغاز میں ہوا۔
- ابن تیمیہ کے نزدیک اس اصطلاح کا استعمال تیسری صدی کے بعد ہوا۔
- ان تمام آراء سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ اس اصطلاح کا آغاز شروع شروع میں کوفہ سے ہوا۔ بعد میں اس اصطلاح کو شہرت حاصل ہوئی۔

تصوف کی وجہ تسمیہ

امام ابن جوزی کا خیال ہے کہ لفظ تصوف صوفہ سے نکلا ہے۔ ابن جوزی صوفہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں:

كانو يخدمون الكعبة ويجيزون الحاج في الجاهلية أي يفيضون بهم من عرفات وكان احدهم فيقول اجيزى صوفةُ[13]

---

[12] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، دار الفکر، بیروت، (1999)، ص:511

[13] ابن جوزی، عبد الرحمٰن، تلبیس ابلیس، دار الکتب العلمیہ، بیروت، (1988ء)، ص:163

صوفہ کے نام سے ایک قبیلہ تھا جو ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کی خدمت کرتا تھا اور حج کے زمانہ میں حاجیوں کی راہبری کرتا تھا۔

اس روایت کو فیروز آبادی نے بھی بیان کیا ہے۔[14]

صوفۃ کا ایک معنی چٹائی بھی بیان ہوا ہے۔چٹائی کو پاؤں کے نیچے رکھا جاتا ہے۔اس کا معنی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ صوفی اس طرح متواضع ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کے حضور متواضع ہو کر اتنے بچھ جاتے ہیں کہ کوئی ان کو لتاڑ بھی دے تو غصہ نہیں کرتے اور جھگڑا نہیں کرتے۔[15] اگر صوفۃ کے لفظ کو لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو پھٹے پرانے کپڑے جو استعمال کے قابل نہیں رہتے اور انہیں چیتھڑا سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔عربی زبان میں کپڑے کے ان پھٹے پرانے چیتھڑوں کو صوفہ کہا جاتا ہے۔

تصوف کا لغوی مفہوم

لفظ تصوف کے مادہ اشتقاق کی روشنی میں اہل لغت نے تصوف کے حوالے سے اپنے اپنے انداز میں اظہار خیال کیاہے۔ذیل ہم تصوف کا لغوی معنی اور پھر اصطلاحی معنی بیان کریں گے۔صوف کے تناظر میں تصوف کا مفہوم کے بارے میں ابو نصر سراج الطوسی بیان کرتے ہیں:

لم یکن ذلک نسبتهم الی ظاهر اللبسة لان الصوف دأب الانبياء وشعار الاولياالاصفياء[16]

”صوفیاء اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلائے یہ اس لئے بھیڑوں کی اون کے کپڑے پہننا، انبیاء، اور برگزیدہ ہستیوں کا نشان خاص ہے۔“

تصوف کا مادہ اشتقاق الصوف کا دو معنی کے لحاظ سے اشتقاق مانا گیاہے۔صوف اون کو کہتے ہیں۔اس قول کے لحاظ سے لفظ تصوف صوف سے مشتق ہے۔اہل لغت نے صوف سے تصوف کے اشتقاق پر کوئی احتمال بیان نہیں کیا اور اس میں تصوف اور صوفی کا اشتقاق بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے۔جس شخص نے اونی لباس پہنا ہو اسے صوفی کہتے ہیں۔صوف سے باب تفاعل کے وزن پر تصوف ہے۔جیسے عربی زبان میں قمیص پہننے کو تقمص کہتے ہیں۔اسی بنا پر اونی لباس پہننے والے کو صوفی کا نام دیا گیاہے۔امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تصوف اذا لبس الصوف كما يقال تقمص اذا لبس القميص[17]

---

[14] فیروز آبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، الموسسۃ الرسالہ، بیروت، (2005ء)، ص:۲۳۴

[15] فیروز آبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، الموسسۃ الرسالہ، بیروت، (2005ء)، ص:۲۳۴

[16] طوسی، ابو نصر سراج، کتاب اللمع، فی التصوف، دار الکتب العلمیہ، لبنان، (2001ء)،، ص:21

[17] القشیری، عبد الکریم، الرسالہ القشیریہ، دار الجیل، بیروت، (2001)، ص:279

''یعنی اس وقت کہا جائے گا جب صوف کا لباس پہنا جائے جیسے کسی کے قمیص پہننے پر تقمص بولا جاتا ہے۔''

شیخ غیاث الدین فرماتے ہیں:

چنانچہ گذشتہ زمانے میں مردان حق تذلل اور غایت درجہ کی عجز و انکساری کے باعث اونی لباس پہنتے تھے۔ اس مناسبت سے ان کے اعمال و افعال کو تصوف کا نام دیا گیا۔[18]

اون کی طرف نسبت اس اعتبار سے ہے کہ یہ لباس اسلاف متقدمین کو زیادہ مرغوب تھا کیونکہ یہ زہد و تواضع کے قریب تر ہے اسی وجہ سے یہ انبیاء کا لباس بھی رہا ہے۔

اوائل دور میں اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندوں نے جن کا اکثر وقت عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ سنت صحابہ، سنت انبیاءاور سنت اصحاب صفہ کی اتباع میں اون کا لباس پہنا تو انہیں صوفی کہا گیا۔

تصوف کا اصطلاحی مفہوم

تصوف ایک ایسا لفظ ہے جس کی آج تک کوئی حتمی تعریف نہیں ہو سکی۔ اس لیے کہ ہر صوفی کی اپنی ذاتی، تجزیاتی، ذوقی اور وجدانی کیفیت ہے اس حالت میں تمام اصحاب رائے کا ایک ہی بات پر متفق ہونا محال ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا ذوق و وجدان جداگانہ ہے۔ جس کا ذوق جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ حقیقت الامر کو سمجھ سکتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلک تصوف نے کسی زمانہ میں بھی کوئی واحد اور مستقل صورت اختیار نہیں کی۔ ہر عہد میں اس کی شکل وصورت بدلتی رہی ہے۔ اوائل اسلام میں تصوف محض زہد و تقویٰ کی صورت میں موجود تھا۔ زمانہ بعد میں اس میں مختلف رنگوں کی آمیزش ہوتی رہی۔ اس لیے اس کی کوئی جامع تعریف سامنے نہ آ سکی۔[19]

خلیفہ عبدالحکیم اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''زندگی کے تمام اساسی حقائق کی طرح اس کی تعریف و تجدید بھی نہایت مشکل ہے۔ فقط اسلامی تصوف میں سینکڑوں مختلف تعریفیں اس کی ملتی ہیں اور بعض تعریفیں باہم اس قدر متخالف معلوم ہوتی ہیں کہ ان میں سے کسی قدر مشترک کو اخذ کرنا صرف دشوار نہیں بلکہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔''[20]

صوفیائے کرام نے اپنے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق اس کی جو تعریفیں کی ہیں ان میں سے چند ایک ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ تاکہ ان کے ذریعہ سے تصوف کے مفہوم پر روشنی ڈالی جا سکے۔

صوفیاء نے تصوف کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ ان میں چند ایک درج ذیل ہیں:

---

[18] غیاث الدین، غیاث اللغات،، قدیمی کتب خانہ، کراچی (2003)، ص:113

[19] غزالی، محمد بن محمد احیاء العلوم الدین، نفیس اکیڈمی، کراچی (1992ء)، ج:2، ص:246

[20] اقبال مجلہ اقبال نمبر، بزمِ اقبال، لاہور، (1938ء)، ص:۸۴۷

1۔سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں اکابر صوفیاء کے تصوف کے بارے درج ذیل اقوال بیان کیے ہیں:
التصوف نعت اقيم العبد فيه قيل نعت للعبد ام نعت للحق فقال نعت الحق حقيقة ونعت العبد رسماً [21]

"تصوف ایک وصف ہے جس میں آدمی کا قیام ہے۔لوگوں نے کہا وصف خدا کا یا انسان کا۔حضرت جنید نے کہا اس کا اصل تو خدا کا وصف ہے۔ظاہری قیام وصف انسانی ہے۔"مطلب یہ ہے کہ تصوف کا اصل انسانی صفات کی فنا ہے۔جو باری تعالیٰ کی صفات کے دوام سے واقع ہوتی ہے اور اس لیے تصوف وصف خدا تعالیٰ ہے۔

2۔سید علی ہجویری تصوف کی حقیقت کے بارے میں ابن جلالی دمشقی کا قول نقل کرتے ہیں:
التصوف حقيقة لارسم له [22]

تصوف سراپا حقیقت ہے جس میں رسم و مجاز کا دخل نہیں ہے۔"

آپ نے تصوف کی حقیقت کے بارے میں فرمایا:

"تصوف نہ تو رسم ہے،نہ علم ہے کیونکہ اگر رسم ہوتا تو مجاہدات سے اور اگر علم ہوتا تو تعلیمات سے حاصل ہو جاتا بلکہ تصوف ایک اخلاقی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق وعادات اختیار کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔"

3۔حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک تصوف کی تعریف یہ ہے:
ان تكون مع الله تعالى بلا علاقة [23]

"تجھے بلاواسطہ اللہ کی معیت حاصل ہو جائے۔"

4۔ابوالحسن نوری (592ھ) لکھتے ہیں:

"مخلوق کی دشمنی اور مولیٰ کی دوستی کا نام تصوف ہے۔" [24]

5۔معروف کرخیؒ سے مروی ہے:
التصوف هو الأخذ بالحقائق، واليأس عما في أيدي الخلائق [25]

تصوف حقائق پر عمل کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی کا نام ہے۔

6۔کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
التصوف خلق، فمن زاد عليک فی الخلق فقد زاد عليک في الصفاء [26]

---

[21] ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، قادری رضوی کتب خانہ،لاہور،(2010ء)، ص:46

[22] ایضاً،ص:49،48

[23] القشیری،عبدالکریم،الرسالہ القشیریہ، قادری رضوی کتب خانہ،لاہور ،(2001)ص:278

[24] فریدالدین عطار، تذکرہ الاولیاء، قادری رضوی کتب خانہ،لاہور،(2010ء)، ص:257

[25] القشیری،عبدالکریم،الرسالۃ القشیریہ، قادری رضوی کتب خانہ،لاہور ،(2001)ص:280

[26] ایضاً،ص:281

"تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے۔ جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہو گا۔"

7۔یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

"تصوف خدا سے ملنے، اسے دریافت کرنے یا اسے دیکھنے کی شدید ترین آرزو کا دوسرا نام ہے۔"[27]

قرآن مجید میں لفظ تصوف کے مترادفات کا استعمال

- ابو نصر سراج الطوسی اصحاب صفہ کے احوال کی نسبت لفظ صوفی اور تصوف کے اطلاق کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جس طرح اصحاب صفہ کا ذکر قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں نیکی اور بھلائی کے لیے کئی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں مختلف عنوانات کے تحت آیا ہے۔

ابو النصر سراج الطوسی لکھتے ہیں:

- "اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں صادقین و صادقات، قانتین و قانتات، فاشعین، موقنین، مخلصین و محسنین، خائنین، راجین، متقتین، معطفین، محبین، عابدین، صابرین، راضین، متوکلین، ابرار، مقربین وغیرہ سے خطاب کیا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن سے کلام کیا جائے گا۔"

1۔تزکیہ نفس

اس ضمن میں سب سے پہلا جو نکتہ غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے انسانیت میں باعزت اور عظیم المرتبت جماعت انبیاء کرام کی بعثت کا اصلی مقصد کیا قرار دیا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے یہ بات صاف الفاظ میں ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ انبیاء کی بعثت و نبوت کا مقصد صرف نفوس انسانی کا تزکیہ تھا۔ حضرت ابراہیم نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے لیے جو دعا فرمائی اس کے الفاظ بھی اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

رَبَّنَا وَٱبعَث فِيهِم رَسُولا مِّنهُم يَتلُواْ عَلَيهِم ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلكِتَٰبَ وَٱلحِكمَةَ وَيُزَكِّيهِم إِنَّكَ أَنتَ ٱلعَزِيزُ ٱلحَكِيمُ[28]

---

[27] یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، علماء اکیڈمی، لاہور، (1974ء)، ص:3

[28] القرآن 2: 129

”اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کر دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔“

مولانا امین اصلاحی ”تزکیہ نفس“ میں فرماتے ہیں:

”یہ حقیقت قرآن مجید کی متعدد آیات سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نجات و فلاح کا ایک ذریعہ تزکیہ ہے لغوی اعتبار سے عربی زبان میں تزکیہ کسی چیز کو صاف ستھرا بنانے اس کو نشو و نما دینے اور اسے پروان چڑھانے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنوں میں تزکیہ نفس کو غلط رجحانات اور میلانات سے توڑ کر خدا پرستی کے راستے پر ڈال دینا اس کو درجہ کمال پر پہنچنے کے لائق بنانا ہے۔“ [29]

حضور نبی کریم ﷺ نے نسخہ کیمیا کے ذریعے امت کے مریضوں کا علاج کیا۔ ان کے قلوب اور امراض کی الائشوں کو دور کر کے ان کا تزکیہ کیا اور ان کے سینوں کو حکمت و دانائی سے بھر دیا۔ اصل کام تزکیہ نفس ہے جس کی حضور نبی کریم ﷺ نے ابتداء فرمائی اور آپ کے فرائض نبوت میں سے ایک فرض تھا کیونکہ جب تک تزکیہ نفس نہ ہو فلاح و کامیابی ناممکن ہے اور یہی تصوف کی بنیادی چیز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی [30]

”بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہو گیا۔“

ضیاء الحسن فاروقی تصوف کی حقیقت کے متعلق لکھتے ہیں:

- ہی ہے وہ راہ سلوک، وہ مسلک وہ تصوف جو عہد نبوی اور دور صحابہ و تابعین میں تھا۔ قرآن نے اسی کو تزکیہ اور حکمت کہا۔

تصوف تو در حقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے اور عشق کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے احکامات اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے۔

پس تصوف شریعت سے الگ کوئی دوسری چیز نہیں بلکہ شریعت کے احکامات کو انتہائی خلوص اور نیک نیتی کے

---

[29] اصلاحی، امین احسن، تزکیہ نفس، ، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، (1991ء)، 1 ج :ص:42

[30] القرآن 87: 14

ساتھ بجالانا اور اطاعت میں اللہ کی محبت اور اس کے خوف کی روح بھر دینے کا نام ہے۔ (31)

2۔ شب بیداری

راہ سلوک میں شیخ و مرشد اپنے مریدین کو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ رات کے پچھلے پہر کا قیام کیا کرو کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نفلی عبادت ہی سے منزل تک پہنچنے کی راہ آسان ہوتی ہے اسی سے ہی قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ روحانی بالیدگی اور درجات بلند ہوتے ہیں تقویٰ میں استحکام اور عروج حاصل ہوتا ہے۔

اس میں دوسرا حکم ترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ جس میں غوروفکر کا عنصر غالب رہتا ہے۔ یعنی اس طرح ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنا کہ ایک ایک لفظ واضح ہو جائے پھر اس کے معانی و مطالب پر غور کرنا کیونکہ راہ سلوک میں کتاب کا علم حاصل کرنا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جب کتاب اللہ کے معانی میں غوروفکر ہو گا تو اس کا اثر قلوب پر پڑے گا۔ جس سے دلوں میں گداز اور رقت پیدا ہو گی۔ آنسو بہہ نکلیں گے۔ (32)

3۔ حدیث نبوی اور مکارم اخلاق

بعض صوفیاء نے اخلاق حسنہ کو تصوف کا نام دیا ہے۔ بعثت نبوی کا مقصد اخلاق کو سنوارنا ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیاء بھی سب سے پہلے اخلاق کو سنوارنے کی طرف توجہ دیتے تھے بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مکارم اخلاق کی نسبت حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

بعثت لا تمم حسن الاخلاق (33)

"مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔"

یہ کہا جا سکتا ہے کہ پورا تصوف اس حدیث قدسی میں جمع کر دیا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

"میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"(34)

1۔ حضرت علیؓ کو اسرار دین کی تعلیم کی بنا پر ہی سرکار دو جہاں ﷺ نے باب علم فرمایا اور اسرار دین کی بنا پر ہی حضرت حذیفہؓ کو صاحب السر رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔

---

(31) فاروقی، ضیاء الحسن، آئینہ تصوف، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، (۲۰۰۱)، ص:48،49

(32) غزالی، محمد بن محمد احیاء العلوم الدین، (1992ء)، دار القلم، دمشق، ج:2، ص:246

(33) مالک، امام، مؤطا، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان، (1985ء)، رقم حدیث:3228 ص:121

(34) بخاری، امام محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری کتاب الرقاق، باب التواضع مکتبہ سلفیہ، مدینہ، (2011) رقم حدیث:6137 ص:231

2۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری

"میرے اولیاء پوشیدہ رہتے ہیں انہیں سوائے میرے کوئی نہیں پہچان سکتا۔"

درج بالا حدیث میں ہمارے لیے دو الفاظ خاص توجہ کے لائق ہیں۔ انہی سے تصوف کی اصطلاح بھی جنم لیتی ہے اور صوفیاء کا مقام و مرتبہ بھی واضح ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے دوست اور اولیاء ہیں اس حدیث پاک سے ایک اور خاص بات جو اخذ ہوتی ہے کہ اگر ان اولیاء اللہ سے آپ کی مراد سارے صحابہ یا کم از کم اس وقت مجلس میں موجود صحابہ ہوتے تو پھر آپ ﷺ اتنا اہتمام کیوں فرماتے اور ان کی صفات کا ذکر کرنے کی بجائے سیدھا فرما دیتے کہ وہ آپ لوگ ہیں۔[35]

لفظ تصوف کی مختلف معنوی جہات

قرون ثلاثہ میں اہل اللہ نے اپنے آپ کو لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے الصوفۃ یعنی چیتھڑے کے ساتھ تشبیہ دی تاکہ لوگ انہیں غیر مفید سمجھ کر ان کی طرف دھیان نہ دیں۔ اس طرح وہ خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی یاد اور ذکر میں مگن رہیں۔[36]

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ صوفۃ کی طرف صوفیاء کی نسبت کے حوالے رقمطراز ہیں:

"یہ خیال اگرچہ بہت حد تک قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن اس بات کا کوئی قطعی ثبوت بہم نہیں پہنچایا جا سکتا کہ صوفی کا لفظ مروجہ معنی میں صوفۃ ہی سے نکلا ہے۔ اس لیے کہ یہ تو ایک خاص قبیلہ کا نام تھا اور اس قبیلہ تک ہی محدود تھا اس لیے اس لفظ کا عرب سے نکل کر بیرونی ممالک میں اشاعت پذیر ہونا حقیقت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔"[37]

ایک قول یہ بھی ہے کہ تصوف اور صوفی کا لفظ الصفاء سے مشتق ہے۔ صفاء کے لغوی معنی پاکیزگی کے ہیں یعنی کسی شے کو ظاہری و باطنی آلودگی اور میل کچیل سے پاک کرنا تصوف کہلاتا ہے یعنی مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ دل کی پاکیزگی تصوف کہلاتا ہے۔ صاحب المنجد صفاء کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صفی ای تصفیة الشیء وجعله صافیا[38]

"صفی سے مراد کسی شے کو صاف کر دینا ہے۔"

---

[35] سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، مکتبہ امدادیہ، ملتان (2001ء)، ج:1، ص:561

[36] غزالی، محمد بن محمد، احیاء العلوم الدین، مدنی کتب خانی، لاہور، (2002)، ج:2، ص:246

[37] ابن تیمیہ، احمد بن الحلیم، مجموع الفتاوی، مطابع الطریحی الجاریۃ، القاہرۃ، (1991)، ص ۱۱:۲

[38] لوئیس معلوف، المنجد، الصفاء، انتشارات ذوي القربیٰ، دار القلم، دمشق (1323ھ)، ص:428

اگر لفظ تصوف اور صوفی کو الصفا سے مشتق تسلیم کر لیا جائے تو اس میں مکمل طور پر اجلا ہونا، صاف وشفاف ہونا پایا جانا ہے۔ اس کو تصفیہ قلب بھی کہا جاتا ہے یعنی دل کے میل کچیل کو صاف کرنا۔ دل کے زنگ کو اللہ کے ذکر سے پاک کرنے کے فعل کو الصفاء اور تصوف کہا جاتا ہے جو شخص عبادات، مجاہدات اور ریاضات کے ذریعہ اپنے دل کو پاک صاف کرے اس کو صوفی کہا جاتا ہے۔

جو لوگ اپنے دل کو ہر گناہ سے پاک کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہو جائیں کہ اللہ کی حضوری میں صف اول میں آجائیں ان کو صوفیاء کا نام دیا جاتا ہے۔[39]

1-المصافاۃ کا مفہوم

سیدنا عبد القادر جیلانی الغنیۃ میں فرماتے ہیں:

فيقال لهذا متصوف و صوفتي إذا انصف بهذا المعنى، فهو فى الاصل صوفى على وزن فوعد، مأخوزمن المصافاة يعني عبداً صافاه الحق عزوجل [40]

آپ فرماتے ہیں کہ صوفی کا لفظ مصافاۃ سے ماخوذ ہے یعنی اللہ کا ایسا بندہ جسے اس نے پاک صاف فرمادیا ہے۔ اسی لیے اسے صوفی کہتے ہیں جو نفس کی آفتوں اور رذائل سے صاف ہو کر قابل قدر راہوں پر گامزن ہو اور اس کے دل کے لیے اللہ کے سوا کوئی مخلوق باعث تسکین نہ ہو۔

2-الصفہ کا مفہوم

اصحاب صفہ سے تشبیہ اور تتبع کی بنیاد پر یہ لفظ الصفہ سے تصوف کا معنوی اشتقاق ہے۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ ابو بکر بن اسحاق الکلاباذی البخاری لکھتے ہیں:

قال قوم إنما سموا صوفية لقرب أوصافهم من أوصاف اهل الصفة الذين كانوا فى عهد رسول الله[41]

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ صوفیہ کی وجہ تسمیہ ان کا باعتبار اوصاف اصحاب صفہ سے قریب تر ہونا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے۔

اسی قول کی تائید میں شیخ احمد الحسینی "التعرف" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انه من الصفة اذ جمله اتصاف بالمحامد وترک الاوصاف المذمومة [42]

---

[39] سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، مکتبہ امدادیہ، ملتان (2001ء)، ج:1، ص:561

[40] الجیلانی، عبد القادر، الغنیۃ الطالبین، دار احیاء التراث، بیروت، لبنان،، (1996ء)، ص:442

[41] الکلاباذی، ابو بکر محمد بن اسحاق، کتاب التعرف لمذہب اھل التصوف، مکتبہ الخانجی، القاہرہ، (1933ء)، ص:5

[42] الحسینی، الشیخ احمد، شرح التعرف لمذہب اھل التصوف، انتشارات اساطیر، تہران (2001) ج:۱، ص:۱۰۲

"یہ صفہ سے ماخوذ ہے کیونکہ تصوف تمام ترخوبیوں سے متصف ہونے اور اوصاف مذمومۃ کو ترک کر دینے پر مبنی ہے۔"

3-الصفوۃ کا مفہوم

ایک قول یہ بھی ہے کہ تصوف کا مادہ اشتقاق صفوۃ ہے۔ صفوۃ کا لغوی معنی محبت اور دوستی میں اخلاص ہے۔ کسی کے ساتھ محبت اور دوستی میں اس قدر اخلاص پایا جائے کہ اس میں کسی قسم کا حرص و ہوس اور مفاد آڑے نہ آئے۔ صاحب المنجد اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الصفو ھوا لاخلاص المودۃ والصفی ھوالصدیق المخلص(43)

"صفوۃ کے معنی محبت میں اخلاص کے ہیں اور الصفی سے مراد مخلص دوست ہے۔"

جو بندہ دنیا و آخرت کے تمام نفع و نقصان اور مفادات سے کلیتاً بے نیاز ہو کر خالصتاً تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قائم کرے تو اسے صوفی کہا جاتا ہے اور اس سارے عمل کو تصوف کہتے ہیں۔

تصوف کے لغوی معنی اور اس کے مادہ اشتقاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو صوفیاء نے تصوف کے درج ذیل معنی بیان کیے ہیں:

1۔ تصوف کا ایک مادہ الصوف بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دو معنی کے لحاظ سے اس کا اشتقاق بیان کیا گیا ہے۔

تصوف کے ایک معنی اون کے ہیں۔ صوفیاء چونکہ اون کا لباس پہنتے تھے اس لیے انہیں صوفی کہا گیا ہے۔ اسی طرح الصوف کا ایک معنی یکسوئی بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ صوفیاء ہر طرف سے اپنے دھیان کو ختم کر کے اللہ کے ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے اس عمل کو تصوف کہا جاتا ہے۔

2۔ صوفیہ کی نسبت الصف کی طرف بھی کی گئی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ صوفیاء کے دل اللہ کے حضور صفِ اول میں ہوتے ہیں اور نماز باجماعت میں وہ صفِ اول میں کھڑا ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

3۔ البیرونی کے نزدیک صوفیاء کا لفظ سوفیا سے اخذ ہے کیونکہ ان کا طریقِ کار حکما جیسا تھا۔

4۔ تصوف کی نسبت الصوفہ کی طرف بھی کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک قبیلہ کا نام تھا جو حج کے دنوں میں کعبہ میں آنے والوں کی خدمت پر مامور تھا۔

اگر صوفہ کے لغوی معنی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا معنی پھٹے پرانے کپڑے ہیں۔

صوفیہ چونکہ اللہ کے حضور عاجزی انکساری اور تذلل اور متواضع ہو کر رہتے ہیں اس لیے انہیں الصوفہ بھی کہا جاتا ہے۔

---

(43) لوئیس، معلوف، المنجد، (انتشارات ذوي القربي، دار القلم، دمشق (1323ھ)، ص:429

5۔ تصوف کا ایک مادہ اشتقاق الصفا بھی بیان کیا گیا ہے۔ صوفیا چونکہ اپنے دل کو ظاہری اور باطنی آلودگی سے پاک صاف رکھتے ہیں ان کے اس فعل کو تصوف کہا جاتا ہے۔

6۔ صوفیہ کی ایک نسبت المصافاۃ کی طرف بھی کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو صوفی نفس کی تمام الائشوں سے اپنے آپ کو پاک صاف کر لیتا ہے۔

7۔ صوفیاء کی نسبت اصحاف صفہ کی طرف بھی کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کو انہوں نے اصحاب صفہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یہ لوگ بھی اصحاف صفہ کی طرح اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر لیتے ہیں۔

8۔ تصوف کا ایک مادہ اشتقاق الصفوۃ بھی بیان کیا گیا ہے۔ الصفوۃ کا لغوی معنی محبت اور دوستی میں اخلاص ہے۔ صوفیاء چونکہ اللہ تالی کے ساتھ محبت اور دوستی میں اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ اکثر محققین نے الصف کے مادہ اشتقاق کو ترجیح دی ہے۔[44]

تصوف کے مفہوم میں راجع قول

1۔ علامہ ابن تیمیہ (728ھ) اپنے رسالہ الصوفیہ و الفقراء میں تصوف کے مادہ اشتقاق کے مختلف اقوال کو رد کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”قول معروف یہ ہے کہ تصوف کی نسبت صوف سے ہے۔“[45]

2۔ ڈاکٹر قاسم غنی ایرانی ان تمام محققین کی تحقیقات کا جائزہ لے کر اپنی کتاب تاریخ التصوف فی الاسلام میں لکھتے ہیں:

”تصوف کی اصل کے متعلق تمام اقوال و آراء میں سے بطور لغت و عقل و منطق یہ قول صحیح ہے کہ تصوف عربی زبان کا لفظ ہے اور صوف سے مشتق ہے۔“[46]

3۔ ابو سعید نورالدین لکھتے ہیں کہ ہماری رائے میں یہ قول صحیح ہے کہ کلمہ تصوف صوف سے نکلا ہے۔ کلمہ تصوف عربی کا لفظ ہے۔ اس لیے صوف کا لباس پہننے کے فعل کو تصوف کہا جاتا ہے۔[47]

تصوف کا لغوی معنی بیان کرنے کے بعد تصوف کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کیا جائے گا۔

---

[44] سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، مکتبہ امدادیہ، ملتان (2001ء)، ج:1، ص:561

[45] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی، مطابع الطریحی الجاریۃ، القاہرۃ، (1991)، ج:۲، ص:۱۱

[46] قاسم غنی، تاریخ التصوف فی الاسلام، مکتبہ النہضۃ المصریہ، القاہرہ، (1970ء)، ص:61

[47] نورالدین، ابو سعید، اسلامی تصوف اور اقبال، خزینہ علم و ادب، لاہور، (1995ء)، ص:40

4-الصوف کا مفہوم

اس قول کے مطابق مادہ اشتقاق الصوف ہی ہے۔ مگر الصوف کے یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہیں مگر اس مقام پر اس سے مراد یکسوئی بیان ہوا ہے۔ غیاث الدین الصوف کا لغوی معنی بیان کرتے ہیں:

می تواند که تصوف ماخوذ باشد از صوف که بمعنی یکسو شدن درو گردانیدن است چوں واصلان حق از ماسوی الله یکسو میشدند میگر دانند لهذا کار ایشان را تصوف گفتند۔[48]

''ہو سکتا ہے کہ تصوف صوف سے مشتق ہو جس کا معنی یکسو ہو جانا اور (ہر طرف سے) منہ پھیر لینا ہو چونکہ اللہ تعالیٰ سے وصل کرنے والے (ہر طرف کٹ کر) صرف اسی سے واصل ہوتے ہیں اور ماسوی اللہ سے روگردانی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے احوال کو تصوف کہا جاتا ہے۔''

جب بندہ اللہ کی یاد میں اس طرح مستغرق ہو جائے کہ اسے کامل یکسوئی نصیب ہو جائے اور اس کا دھیان ہر سمت سے کٹ جائے۔ تو ایسے شخص کو اس کی اس کیفیت اور حال کے اعتبار سے اسے صوفی کہا جاتا ہے اور اس کے اس عمل کو تصوف کہا جاتا ہے۔[49] بعض قدیم محققین کے نزدیک تصوف صف سے مشتق ہے۔ اس لیے کہ تصوف کے حامل یعنی صوفیاء کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں صف اول میں ہوتے ہیں۔ اور نماز باجماعت میں وہ سب سے اگلی صف میں کھڑے ہونے کو افضل تسلیم کرتے ہیں۔ یا یہ کہ قیامت کے روز وہ نیک لوگوں کی صفِ اول میں ہوں گے اس لیے انہیں صوفی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ امام ابو القاسم القشیری تصوف کے اشتقاق کے بارے میں فرماتے ہیں:

انه مشتق من الصف فکانها فی الصف الاول بقلوبهم من حیث المحاضرة من الله تعالی[50]

''یہ الصف سے مشتق ہے، اس بنا پر ہے کہ ان کے دل اللہ کی حضوری میں صف اول میں ہوتے ہیں۔''

تصوف کا لفظ اصل میں سین سے تھا۔ اس کا مادہ سوف تھا۔ جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتب کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا چونکہ صوفیاء میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے ان کو سوفی یعنی حکیم کہنا شروع کر دیا رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہو گیا۔[51] یونانی لفظ سوف حکیم کا مترادف ہے۔ البیرونی اپنی کتاب الہند میں لکھتے ہیں:

---

(48) ایضاً، ص:113

(49) سہروردی، شہاب الدین، عوارف المعارف، مکتبہ امدادیہ، ملتان (2001ء)، ج:1، ص:561

(50) قشیری، عبد الکریم، الرسالہ القشیریہ، دار القلم، دمشق (1323ھ)، ص:279

(51) غزالی، محمد بن محمد احیاء العلوم الدین، نفیس اکیڈمی، کراچی، (1992ء)، ج:2، ص:246

وهذا رأى السوفية وهم الحكماء فان''سوف''باليونانية الحكمة وبها سمى الفيلسوف پيلا سوپا اى محب الحكمة ولما ذهب فى الاسلام قوم الى قريب من رايهم سمو ابا سمهم [52]

''یہ رائے صوفیہ یعنی حکیموں کی تھی یونانی میں حکمت کو سوف کہتے ہیں اور اسی لفظ سے فلسفی کا نام سوپا یعنی محب حکمت رکھا گیا ہے۔ جب اسلام میں ایک جماعت نے قریباً وہی رائے اختیار کی تھی تو ان کا نام وہی رکھ دیا گیا جو ان یونانی حکماء کا تھا۔''

علامہ شبلی نعمانی بھی اسی رائے کی تائید کرتے ہیں کہ یونانی کتب کے ترجموں سے یہ لفظ عربی زبان میں آیا جو بعد میں سوفی سے صوفی ہو گیا۔[53]

تصوف کی ضرورت

حیات انسانی متنوع پہلوؤں سے تشکیل پاتی ہے جن میں سے ایک اہم پہلو افضی ہے جو شعور اور لاشعور کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ انفسی پہلو شخصیت کی وہ خشت اول ہے جس کے درست اور اصلاح یافتہ ہوئے بغیر انسانی زندگی کی عمارت صالحیت کی بنیادوں پر نہیں اٹھ سکتی اور نہ ہی حیات انسانی کو جادۂ صالحیت میسر آسکتا ہے۔

تصوف کی عملی ضرورت

اللہ رب العزت کا منشا یہ ہے کہ اس کے محبوب رحمت عالم میں کی امت پر مشتمل جو معاشرہ معرض وجود میں آئے وہ سرتا پا صالحیت و تقوی کے زیور سے آراستہ ہو۔ اسی لئے اللہ سبحانہ نے سرکار دو عالم میں ایم کے رفقاء اور غلاموں کی یہ صفات عظمی بیان فرمائیں۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ، وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَعاً سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا([54])

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ میں رہ کفار پر بڑے سخت ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں تو انہیں دیکھے گا کبھی رکوع کی حالت میں اور کبھی سجدے کی حالت میں وہ ہمیشہ اللہ رب العزت سے اس کے فضل اور اس کی رضا کے چاہنے والے ہیں۔

---

[52] البیرونی، ابوریحان، کتاب الہند،، مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد،، (1958ء)، ص:24

[53] شبلی نعمانی، الغزالی،، اسلامی اکادمی، لاہور (2001ء)، ص:104

[54] الفتح ۲۹:۴۸

یعنی جو مومنین محمد مصطفیٰ ﷺ پر پروانہ وار شار ہیں اور اپنے آقا میر کے پر تو جمال سے مستنیر ہیں۔آپ ﷺ اللہ کی اتباع سے خود کو شرف انسانیت سے مرصع کر رہے ہیں۔ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ کافروں پر سخت ہیں۔اللہ اور اس کے رسول میں کے دشمنوں پر سختی اور قمرالی بن کر ٹوٹتے ہیں اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی عملی تصویر ہیں۔کافروں سے نرمی کا برتاؤ کرنا یا ان کے ظاہری جاہ و جلال سے مرعوب ہونا ان کی فطرت کے خلاف ہے۔دوسری طرف ان میں یہ وصف بھی ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کے لئے پیکر رحمت اور سراپا محبت بن جاتے ہیں

ان میں تیسری صفت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ رزم گاہ حیات سے فارغ ہو کر راتوں کو خلوت گزیں ہوتے ہیں۔ تو قرآن سن سن کر ان کی آنکھیں تر ہو جاتی ہیں اٹھتے بیٹھتے پہلوؤں کے بل لیے اور رکوع و سجود کے اندر ذکر محبوب میں مگن نظر آتے ہیں۔اس کے حضور چپکے چپکے دعائیں اور التجائیں کرتے ہیں۔ان کو دشمنی اور نفرت ہوتی ہے تو صرف اللہ کے دشمنوں محبت ہوتی ہے۔تو صرف اللہ کے پیاروں سے ان کی انفسی ، قولی اور عملی نفرت و محبت بھی عبادت الٰہی بن جاتی ہے اور ان کے ذکر و فکر کا مقصود بھی محبوب حقیقی کی رضا ہوتی ہے۔انہیں معلم کائنات میں ہم نے بتا دیا ہے کہ ہمارا پرودگار ان بندوں پر راضی ہوتا ہے۔جن کی سیرت میں یہ تین باتیں پائی جائیں۔

دراصل یہ ایمان ہے جو فطرت کے اندر یہ داعیہ پیدا کرتا ہے کہ انسان کسی سے دشمنی و نفرت رکھے تو صرف اللہ کی خاطر اور اگر محبت و دوستی یا نرمی کا برتاؤ کرےتو وہ بھی صرف اللہ کی خاطر۔وہ عبادت میں وقت گزارے تو اللہ کی خاطر یہاں تک کہ دوزخ کا خوف یا جنت کی طلب بھی اس لگن کا باعث نہ ہو وہ مفاد اور غرض کی تمام آلائشوں سے پاک ہو کر صرف اپنے رب کو منانے ، راضی کرنے اور اس سے مضبوط تعلق استوار کرنے کے لئے ہر لمحہ سراپا جہاد بن جائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر یہ صفت کسی طرح پیدا ہو کہ اس کا فکر و تخیل اور ہر قول وفعل اس ایک مرکز و محور کے گرد گھومنا شروع کر دے اس کا سادہ سا جواب تو یہی ہے کہ انسان ہر ماسوی اللہ سے لا تعلق ہو کر اور نفع و ضرر کے تمام تصورات کو بالائے طاق رکھ کر ہر قول و عمل محض رضائے الٰہی کے لئے کرے۔دوستی ہو یا دشمنی کسی سے جڑتا ہو یا کٹتا ہو جینا ہو یا مرنا ہو ' سب کچھ اس حقیقت کے سانچے میں ڈھل جائے کہ۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَ سَمَانِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ(55)

[55]:الانعام 162:6

حق یہ ہے کہ میری نماز میری قربانیمیری زندگی اور میری موت صرف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پرودگارہے۔"

اور پھر وہ ہر طرف سے کٹ کر ہر فکر و خیال اور فلسفہ و نظریہ کے ظلم سے آزاد ہو کر صرف اللہ کا ہو جائے اس کا فکر و خیال اور فلسفہ و نظریہ صرف ایک جہت میں مرکوز ہو جائے وہ قولا اور عملاً صرف اللہ کا ہو کر رہ جائے اور یہی کیفیت تعلق باللہ کاحقیقی تقاضا ہے بمجوائے آیت قرآنی:۔

إِنِّي وَجَهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَيْفًا، وَمَا أَنَا هو مِنَ الْمُشْرِكِينَ([56])

میں نے تو اپنا منہ اس ذات کی طرف یکسوکر کر لیا۔جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

اس کی مثال سورج مکھی کے پھول کی طرح ہو جائے کہ جس طرف سورج اپنی ضیا بار شعائیں برساتا ہے اس کا منہ اس طرف ہوتا ہے اور یوں جیسے جیسے سورج کارخ بدلتا چلا جاتا ہے کہوفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے قرآن حکیم نے ہمارے لئے زندگی کے تمام اقوال وافعال کا مرکز و محور متعین کر دیا اور وہ ہے۔ طلب رضائے الہی " یہی وہ نقطہ ماسکہ ہے جس کے گرد گھومنے سے سیرتوں میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ صالحیت ، تقوای جوانمردی ایثار و قربانی ، شخصیت کے زیور بن جاتے ہیں۔جب افراد سنور جاتے ہیں تو ایک اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہےجو افراد کے لئے جنت نظیر ہوتا ہے۔

ضرورت کے اعتبار سے تصوف کی جہات

در حقیقت تصوف نہ تو جمود و تعطل کا نام ہے نہ محض کسی سلسلہ طریقت سے منسلک ہو جانے اور بزرگوں کے عرس منانے کا نام ہے تمام غلط فہمیاں اور منفی خیالات روح تصوف کو نہ سمجھ سکنے کے باعث پیدا ہوئے۔تصوف کو غاروں اور جنگلوں میں ذکر و فکر تک محدود کر دینا اس فلسفہ روحانیت کی غلط تعبیر ہے اور اس پر یہ الزام لگانا کہ تصوف زندگی کی حرکت و عمل سے دور لے جانے والا اور زندگی کے بدلتے تقاضولیا کاساتھ نہ دے سکنے والا فلسفہ ہے یہ بھی نا صواب و ناروا ہے۔

در اصل تصوف ایک ایسا جامع ہمہ گیر تصور حیات ہے جو اپنے مقاصد کے اعتبار سے معراج حیات ہے یہ فلسفہ جب کسی کی ذات میں عملاً متحقق ہو جائے تو اسے عروج و کمال سے ہمکنار کر دیتا ہے۔اگر روح تصوف کا فہم حاصل ہو جائے اور اس کی حقیقی تعلیم سے آگاہی میسر آجائے تو اہل بصیرت کو یہ سمجھنے میں چنداں

[56]:الانعام ۶:۷۹

مشکل نہیں رہتی سہ فلسفہ تصوف اصلا چھ بنیادی مقاصد کا مجموعہ ہے جن میں سے تین کا تعلق اعمال سے ہے اور تین کا تعلق احوال ہے۔تین مقاصد عملی مشقت اور جد وجہد کا تقاضا کرتے ہیں
جبکہ دوسرے تین مقاصد کیفیات قلبی اور باطنی سرور پر مبنی ہیں۔اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو مقاصد تصوف کی تعداد ہزاروں سے بھی متجاوز ہو جائے گی لیکن یہ سارے کے سارے مقامات و احوال اور تمام تعلیمات کلی اعتبار سے ان چھ مقاصد کے ضمن میں آجاتی ہیں۔ان مچھ مقاصد کو مرحلہ وار مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

مرحلہ اولی

1. تزکیہ نفس
2. صفائے قلب
3. اطاعت حق

مرحلہ ثانیہ

1. محبت الہی
2. رضائے الہی
3. معرفت الہی

گویا اگر یہ چھ مقاصد متحقق ہو جائیں تو تصوف کی راہ میں سالک کی پوری اپنی تکمیل اور کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی مقصد اور تعلیم و فلسفہ جد و جہد نہ تو حرکت و عمل اور انقلاب کے منافی ہے اور ہ ہی جمود و تعطل کی تعلیم پر مبنی ہے۔کوئی ایک مقصد بھی ایسا نہیں جس میں جنگلوں اور غاروں میں زندگی برباد کر دینے کا تصور ہو یا رسم ورواج اور بے جان خانقاہی نظام سے چمٹ جانے کی تعلیم ہو۔ تصوف کی جد وجہد کا نقطہ آغاز تزکیہ نفس ہے اس سے قبل ہم تصوف کی عملی و روحانی ضرورت کے زیر عنوان اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں یہاں بغرض استحضار اس بحث کا اجمالی خلاصہ پیش کرنا مفید مطلب ہو گا۔

تزکیہ نفس

تزکیہ نفس جو تصوف کی زندگی کا پہلا قدم ہے انسانی زندگی کو اپنے من کی تمام آلائشوں اور کدورتوں سے پاک کر دینے کا نام ہے گو یا تصوف کا نقطہ آغاز تقاضا کرتا ہے کہ نفس انسانی کذب و دروغ گوئی سے پاک ہو جائے، ریاکاری اور منافقت جیسے رذائل دور ہو جائیں ، کبر و نخوت اور غرور و تکبر کو کھاڑ کر پھینک دیا جائے حسد و کینہ اور بغض و عناد کا خاتمہ ہو جائے دنیا کی محبت اور لالچ سے انسانی قلب پاک ہو جائے اور ان رزائل

کی جگہ مجز و انکسار خشوع و خضوع تذلل و تواضع نفع بخشی و فیض رسانی ، فہم و ذکاء اور جود و سخاء اور محبت الہی جیسے فضائل انسان کے قلب و باطن کو منور کر دیں اور انسان کا نفس ہر قسم کے رزائل کا انکار کرے اور ان سے بیگانگی محسوس کرے۔جب انسان کا قلب و باطن پاک ہو جائے تو اس کا زاویہ نظر بھی بدل جاتا ہے۔

تزکیہ نفس کا مقصود یہ ہے کہ انسان دوسروں کو خود سے بہتر تصور کرے اگر کوئی چھوٹا ہو تو اسے اس لئے خود سے بہتر سمجھے کہ اس کی عمر کم ہے لہٰذا اس نے مجھ سے کم گناہ کئے ہیں اگر کوئی بڑا ہے تو اسے اس لئے بہتر سمجھے کہ یقینا زیادتی عمر کے باعث اس کی نیکیاں مجھ سے زیادہ ہیں اگر کوئی کمزور ہو تو اس لئے اسے خود سے بہتر سمجھے کہ یہ کمزور ہے کسی پر ظلم و زیادتی نہ کر سکا ہو گا کسی کی حق تلفی نہ کر سکا ہو گا اگر کوئی خود سے طاقت ور ہو تو اسے اس لئے اچھا سمجھا جائے کہ یقینا اس نے مظلوموں کی مدد کی ہو گی اور میں طاقت نہ ہونے کے باعث اس نیکی سے محروم رہا ہوں گا اگر کوئی ہمعصر ہے تو اسے اس لئے اچھا سمجھا جائے کہ نیکیوں کے مواقع دونوں کو یکساں نصیب ہوئے یقیناً وہ مجھ سے نیکیوں میں سبقت لے گیا ہو گا اور میں غفلت اور سستی کے باعث ان نیکیوں سے محروم رہا زاویہ نظر کی یہ تبدیلی دراصل انتثال ہے اس حدیث نبوی کا کہ آپ نے دوسروں کے بارے میں گمان کرنے کے باب میں فرمایا:

گویا دوسروں کو اپنے سے بہتر جاننا اور اپنی ذات کے اندر موجود ہر قسم کے کبر و غرور اور خود پرستی کی نفی کر دینا تزکیہ نفس کا پہلا قدم ہے جو انسان ہر وقت حصار ذات میں مقید رہتا ہے اسے غرور و نخوت اور احساس کبر غفلت میں جتلا رکھتا ہے۔ہر وقت ذاتی توصیف و آفرین کے چکر میں رہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں دوسروں کی نسبت زیادہ عالم ہوں با عمل ہوں، نیک ہوں زیادہ خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہوں اس لئے دوسروں سے بہتر ہوں۔تزکیہ نفس کی پہلی ضرب اس خیال خام پر پڑتی ہے اور خود پرستی کے اس بت کو پاش پاش کر دیتی ہے یہ ممکن نہیں کہ ایک آدمی حصار ذات میں مقید ہو ، ہستی اور خود پرستی کا شیدا ہو اسے تصوف اور تزکیہ نفس کی گرد بھی نصیب ہو سکے۔تزکیہ نفس تقاضا کرتا ہے کہ اگر تجھے تصوف اور حقیقت کی راہ پر چلنا ہے واپنی ذات کے حصار کو توڑ کر خود پرستی کے بت کو پاش پاش کر کے تجھے اپنے غرور و کبر سے نجات حاصل کرنا ہو گی ورنہ تم دین کے داعی بن کر جتنے بھی بت توڑو گے توحید کا علم بلند کرو گے شرک کو نیست و نابود کرنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دو گے لیکن تمہارے من کا بت نہ ٹوٹ سکے گا اور جب حقیقت آشکار ہو گی تو تم میں غالب کی زبان میں اعتراف کرنا پڑے گا۔

جو لوگ شریعت و طریقت کی راہ پر چلتے ہیں وہ اپنی راتیں عبادت و ریاضت میں گزارنے کے باوجود اس قدر منکسر ہوتے ہیں کہ شاید ہماری عبادت میں کو تاہی کے باعث یہ گناہ بن گئی ہو وہ بار گاہ ربوبیت میں عرض پرداز ہوتے ہیں کہ اے مولا جس ذھب سے تیری عبادت کرنا تھی اس ڈھب سے تو ہم آگاہ نہ تھے۔شاید تجھے ہماری ریاضت کا یہ انداز پسند بھی آیا ہے یا نہیں اتو نے ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت بخشا ہے یا نہیں ایسی وجہ ہے کہ وہ عبادت کر کے بھی خود کو گناہ گار تصور کرتے ہیں اور ادھر بد نصیبی و خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ محبت کی حلاوتوں سے بے بہرہ ہونے کے باوجود اللہ سے جذباتی ربط کے فقدان کے باوجود خود کو اعلیٰ اور روح دین کے شناور گردانئے کا جنوں سوار ہے۔کہیں ہوا و ہوس، غفلت و کوتاہی، خود فریبی و خود پرستی اور غرور و کبریائی کے بت ہیں جو اولا خواہشات ہوتی ہیں۔ثانیا ضروریات بن جاتی ہیں اور پھر ان کے "واقع " ہونے کا زعم ہو جاتا ہے انسان ہو ا و ہوس کے بت اپنے اندر پاتا ہے اور ان کی پرورش کر کے انہیں اپنا معبود بنا لیتا ہے اور پھر شعوری ولا شعوری دونوں سطحوں پر اس کی جبین نیاز ہوائے نفس کے ان بتوں کے آگے جھکنے لگ جاتی ہے اس نفسانی کیفیت کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ فرمایا:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه هَوٰىهُ (57)

کیاتو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔"

جو زبان سے تو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کو اپنا رب مانتا ہوں لیکن در حقیقت وہ اللہ کو نہیں مانتا بلکہ اپنے ہوائے نفس کو عملاً اس نے خدا کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ہم میں سے ہر شخص اپنے من کی دنیا میں جھانک کر دیکھے خدا کی ذات اسے بصیرت بخش اے اسے اپنے احوال کی خبر ہو جائے تو یہ دلخراش حقیقت سامنے آجائے گی کہ ہم میں سے کوئی خود کو خدا کے برابر اور کوئی خدا سے بھی بڑھ کر تصور کرتا ہے۔اس حقیقت کو مجھنے کے لئے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کا ایک واقعہ مفید مطلب اور آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

واقعہ یوں ہوا کہ ایک عالم دین آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کی حضرت انجھے درس فقر دیجئے ، آپ نے فرمایا کہ ہم فقیروں کے پاس تو فقر کا ایک ہی سبق ہے اور وہ یہ کہ اگر اور کچھ بھی نہ ہو سکے تو اتنا ضرور کرو کہ خدا کو اپنے سے بہتر نہ سمجھ سکو تو کم از کم اپنے جیساہی سمجھ لیا کرو۔وہ عالم دین چونکے اور کیا۔استغفر اللہ آپ نے کیسی بات کہہ دی ؟ یہ تو کفر ہے ، ایک انسان کی کیا مجال کہ وہ خود کو اپنے خالق و مالک کے برابر تصور کرے۔آپ نے فرمایا کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے فقیروں کے پاس تو یہی سبق ہے۔پھر فرمایا مولانا ! آپ رات مسافر خانہ میں قیام فرمائیں۔انشاء اللہ صبح ملاقات ہو گی اور پھر

[57] الفرقان ۲۵:۴۳

گفتگو کریں گے۔رات قیام کے دوران حضرت خواجہ تونسوی نے مولانا کو کھانا بھیجا جس میں دو روٹیاں ری باسی۔اسی طرح دو سالن بھیجے ایک تازہ تھا اور دوسرا سالن باسی تھا۔عالم دین موصوف نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک محتاج دروازہ پر آیا اور صدا لگائی کہ حضرت ا مسافر ہوں اللہ کے نام پر کچھ مل جائے۔انہوں نے باسی روٹی اور باسی سالن اٹھا کر اس محتاج کو دے دیا جبکہ تازہ روٹی اور تازہ سالن خود تناول فرمایا۔صبح جب حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے وہی والی باسی روٹی اور باسی سالن مولانا کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا مولانا! اگر خدا کو اپنے جیسا بھی تصور کیا ہو تا تو خدا کے لئے باسی روٹی اور باری سالن نہ دیا ہوتا اور تازہ سالن اور تازہ روٹی کو بھی برابر برابر تقسیم کر لیا ہوتا۔آدھا کھانا خود کھا لیتے اور آدھا خدا کے نام پر مانگنے والے کو دے دیتے۔یہ انتہائے نادانی ہے کہ ایک طرف قولاً خدا کو خود جیسا ماننے سے انکار ہے اور ایسا کہنے کو کفر گردانتے ہیں اوردوسری طرف عملاً خدا کو خود سے بھی ..... العیاذ باللہ ! آپ نے فرمایا۔ اب بتاؤ ا تم خود کو خدا کے برابر تصور کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر تصور کرتے ہو ؟تصوف کی تعلیم تو یہ ہے کہ خدا سے بڑائی یا برابری کا تصور تو در کنار خدا کے کسی بندے کو بھی اپنے سے کمتر نہ سمجھو۔تزکیہ نفس اسی وقت عمل میں آتا ہے۔جب نفس انسانی ہر قسم کی برتری بالاتری کے تصور سے پاک ہو جائے اور ہوائے نفس کے جتنے بت پال رکھے ہیں ان کو پاس پاش کر دے۔ہوائے نفس کے بتوں کے آگے جھکنے سے انکاری ہو جائے اور اپنی جبین نیاز صوری و معنوی ہر اعتبار سے صرف رب کائنات کے سامنے تم کرے۔

تصوف کی اہمیت

1. علمی و دینی نقطہ نظر سے
2. عملی نقطہ نظر سے
3. اعتقادی و سائنسی نقطہ نظر سے

علمی و دینی نقطہ نظر سے !

دین اسلام کے پورے نظام کو اگر مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا مقصود ہو تو اس نظام کے اہم اور بڑے تین شعبے سامنے آتے ہیں:

1. علم العقائد
2. علم الاحکام
3. علم الاخلاص

علم العقائد

اس سے مراد دین اسلام کا وہ شعبہ ہے جس کا تعلق ایمانیات و عقائد سے ہے یعنی وجود باری تعالی ، توحید اور ذات وصفات میں اس کے یکتا و بے مثل ہونے پر ایمان لانا انبیاء ورسل ملائکہ کتب و صحف آسمانی تقدیر کہ ہر خیر و شر اللہ کی مشیت سے ہے، قیامت، حشر و نشر جنت و دوخ میزان و صراط وغیرہ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان لانا وغیرہ ایسے امور ہیں۔جنہیں ہم ایمانیات سے تعبیر کرتے ہیں۔یہ شعبہ دین کی اصل ہے اور یہی شعبہ جب ایک باقاعدہ صورت میں آگے بڑھتا ہے اسلامی عقائد کو مختلف فکری و نظریاتی کجروی کے عوارض سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے ٹکرانے والے ہر نظریے کا بطلان کرتا ہے تو یہ ایک باقاعدہ فن یعنی علم الکلام یا علم العقائد" کہلاتا ہے۔عقائد چونکہ اعمال وافعال کی اصل ہیں۔اس لئے عقائد و نظریات کی درستی اور پختگی پورے دین میں سب سے مقدم ہے اسلامی عقائد و نظریات اختیار کرنا اور پھر دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ علی وجہ البصیرت ان پر قائم رہنا ہی ایمان ہے۔یہ جتنا راسخ اور علی وجہ التحقیق ہو گا۔اتنا ہی اللہ کے ہاں قابل قدر ہو گا۔کیونکہ دین میراث نہیں دین ہے تکمیل شعور! انسانی فکر و عمل اور کردار کے تمام سوتے اسی علم العقائد سے پھوٹتے ہیں۔

علم الاحکام

دین کا دوسرا شعبہ علم الاحکام ہے جس کا مقصد عقائد کی استوار بنیادوں پر عمل اور رویہ حیات کی تشکیل و تعمیر ہے۔یہ علم انسان کی عملی زندگی سے بحث کرتا ہے۔جس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول میں ہم نے کن کاموں کے کرنے کا حکم دیا یا اجازت مرحمت فرمائی ہے اور کن اقوال وافعال سے منع فرمایا ہے۔جب یہ علم ایک فن اور سائنس کی صورت میں فروغ پاتا ہے اور اوامر و نواہی کے درجات قائم کر کے انہیں فرائض وواجبات، سنن اور حرام مکروہ وغیرہ کی اصطلاحات کے تحت بیان کیا جاتا ہے تو اس علم الاحکام کو اھل علم اصطلاح میں علم الفقہ کا نام دیتے ہیں۔اور شریعت مطہرہ کا قانونی شعبہ ہے۔

علم الاخلاص

جب عقائد و نظریات اور احکام سے متعلق حقائق آشکار ہو جائیں۔تو تیسرے شعبے یعنی علم الاخلاص کو سمجھنے کے لئے راہ ہموار ہوتی ہے۔جادۂ اخلاص کا نقطہ آغاز سمجھنے کے لئے یہ حدیث نبوی میں یہ ہردم پیش نظر رہنی چاہئے۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

انما الاعمال بالنیات([58])

[58] بخاری، امام محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الادب، مکتبہ سلفیہ، مدینہ (2011)، جلد7، حدیث6114:ص: 321

بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

گویا جس طرح اعمال کے لئے صحت عقائد لازمی ہے اس طرح اعمال وافعال کی قبولیت کے لئے صحت نیت بھی لابدی ہے۔اعمال اللہ کی بارگاہ صمدیت میں اس وقت شرف قبولیت سے مشرف ہوتے ہیں۔جب نیت درست ہو۔

آغاز فعل میں یا دوران فعل قلب و ذہن کے کسی گوشہ میں بھی بناوٹ اور ریا کاری کا شائبہ تک نہ ہو بلکہ عمل کا آغاز و انجام سراسر خلوص پر مبنی ہو اور مقصود نظر صرف اور صرف رضائے الہٰی ہو اگر کیفیت یہ نہ ہو اور ذہن اغراض دنیوی و ریاکاری کے بتوں کا صنم خانہ ہو تو اس حالت میں کیا جانے والا عمل بظاہر خواہ کتنا ہی محمود ہو اسے بارگاہ الہٰی میں شرف قبولیت حاصل نہیں ہوتا۔ظاہر وباہر ہے کہ زبان سے خواہ کیسی ہی نیت کا اظہار کیا جائے بارگاہ صدریت سے صلہ وراد پانے کے لئے اس کا تعلق قلبی جذبات وکیفیات کے حوالے سے جانچا جاتا ہے۔جنہیں نہ تو کوئی بصارت سے دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی عدالت ان پر فیصلہ صادر کر سکتی ہے کیونکہ ان رازوں کو معبود اور عبد کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ([59])

بے شک اللہ رب العزت دلوں کے رازوں سے خوب آگاہ ہے۔

یہی سبب ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اعمالکم امو الکم و لکن ینظر الی قلوبکم ([60])

بے شک اللہ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کی اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

ثابت یہ ہوا کہ قبولیت اعمال کے باب میں خدائے علیم و خبیر اپنے بندے کے دل کو دیکھتا ہے۔کہ اس نے یہ نیکی کس نیت سے کی۔اگر نیکی اور سخاوت کے پیچھے کار فرما جذبہ نیک اور سخی کہلانے کا نہیں۔بلکہ نیکی و سخاوت مع اپنے جذبہ محرکہ کے محض رضائے الہٰی کے لئے ہے تو ایسی ہی نیکی اللہ کی بارگاہ بے نیاز میں مقبول و محمود ہے اسی حسن نیت کو اخلاص کہا جاتا ہے۔اخلاص نظام دین میں نیتوں کی اصلاح اور صحت کا اہم شعبہ ہے جو اہل علم کی اصطلاح میں علم الاخلاص سے موسوم ہوتا ہے۔

---

[59] آل عمران ۳:۱۱۹

[60] مسلم، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ الادب دار احیاء التراث العربی، بیروت، (1421)، حدیث:2564:ص: 215